ازخلافت تا امارت

امت مسلمہ کے لئے واجب القبول نظام

(۱)

جناب مولانا محمد عبداللہ سلیم مدرس دار العلوم دیوبند

نوع انسانی اپنی زندگی میں فطری طور پر ایک ایسی قوت حاکمہ کی ضرورتمند رہتی ہے جو لوگوں کے انفرادی روابط اور اجتماعی معاملات کے صلاح و فلاح، انسانی حقوق اور مفادِ عامہ کے تحفظ ونگہداشت کی ذمہ داری کو منضبط اصول اور منظم طریقِ کار کے ذریعے پورا کرسکے۔

اس قوت کو حکومت اور منضبط اصول کو قانون و دستور اور طریق کار کو سیاست کہا جاتا ہے۔

سیاست | سیاست کی تعریف میں علامہ ابو البقار حنفی نے یہ لکھا ہے کہ

"وہ حکمت عملی جس کا مطالبہ یہ ہے کہ انسانی مخلوق کے حال اور مستقبل کی اصلاح اور بہتری کے لئے رہنمائی کا فرض انجام دیا جائے۔" [۱]

---

[۱] کلیات العلوم لابی البقار، بحوالہ اسلام کا نظام حکومت صـ ۳۲۹، از مولانا حامد الانصاری غازی مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، سنہ ۱۹۴۳ء طبع اول)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ
"وہ ایک ایسی حکمت ہے جس میں اہل بستی کے باہمی روابط کے تحفظ کی نوعیت سے بحث کی جائے۔"[1]

حکومت | اور حکومت کی تعریف و تشریح کے سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ
"وہ ایک ایسی ہیئت حاکمہ کی شکل میں رونما ہونے والی ہے جس کی تنظیم انسانی افراد کی اجتماعی تصویر اور تدبیر سے ہوتی ہے، یعنی جہانبانی اور جہانداری کا وہ عزم جو زمین کے کسی مخصوص حصہ میں ایک ہیئت حاکمہ اختیار کر لیتا ہے، اور اس ہیئت میں اس کا اختیار و اقتدار پورا پورا کام کرتا ہے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا)
"حکومت کا سرچشمہ حکم ہے جو جماعت حکم کے منبع سے سیراب ہوتی ہے وہ حکومت ہے۔"
(دائرۃ المعارف پطرس بستانی)
"یا وہ طاقت جس کے ارادہ اور کلام سے انسانی سیاست کی اجتماعی مشین چلتی ہے۔"
افلاطون کہتا ہے:
"حکومت کی اصل خوبی یہ ہے کہ اس کے دائرے میں قوم کے ہر فرد کو وہ درجہ حاصل ہو جس کا وہ مستحق ہے اور جس کے ماتحت اس کی استعداد منظر عام پر آسکے۔ قوم کا ہر فرد ایک احتیاج رکھتا ہے، حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو پورا کرے۔"
احمد امین افلاطون کی اس رائے کی پیش بندی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"حکومت قانون اور نظم کی وہ اعلیٰ ہیئت ہے جو قوم کے ہر ہر فرد کی ذاتی ترقی کے لئے مرکز اور منشا بنتی ہے اور ایک آسان وسیلہ کی حیثیت اختیار کر کے قوم کے تمام طبقوں کی طبعی استعداد کے سدھار کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے، جس حکومت میں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۳ جلد اول

قوم کے ہر شخص کو اس کا حق مل جاتا ہے تو وہ ایک متوازن سوسائٹی کے قیام کا موجب بن جاتی ہے[1]۔"

اقسام حکومت | پھر حکومت کی دو قسمیں ہیں، حکومت[1] دینی اور حکومت[2] دنیاوی۔

اگر حکومت دین کی ازلی اور ابدی حقانیت وصداقت کے ماتحت ہو، بالفاظ دیگر اگر نظام کار مذہب کی اصلاحی حکمت عملی کے ماتحت ہو تو حکومت دینی ہے، اور اگر نظام عمل دنیاداری کے آزاد طریقوں کے ماتحت ہو اور مقصد کار بھی محض دنیاداری ہی ہو تو حکومت دنیاوی ہے۔

اور یہ تقسیم محض لفظی اور تعبیری یا جزوی اختلاف پر مبنی نہیں ہے بلکہ دنیاوی مقصد اور اساسی نظریہ میں دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جو باتیں دینی حکومت میں رُوح اور جوہر کا درجہ رکھتی ہیں، ان کا دنیاوی حکومت میں نظر آنا دشوار ہے۔ اور جو نمائشی طور و طریقے دنیاوی حکومت کے لئے سرمایۂ امتیاز ہوتے ہیں مذہبی حکومت کا دامن ان سے پاک ہوتا ہے۔

دنیوی حکومت کی قسمیں | پھر دنیاوی حکومت کی اصولی طور پر دو قسمیں ہیں:

کیونکہ حکومت کی سیاسی طاقت و قوت کو جو فرد یا جماعت استعمال کرے اس کو حکمراں کہا جاتا ہے تو اگر یہ سیاسی قوت در وبست ایک شخص کے دست تصرف میں ہے تو وہ شخصی حکومت ہے اور اگر یہ طاقت عوام کے ہاتھ میں ہے تو یہ حکومت عوامی اور جمہوری ہے، باقی جتنی قسمیں فروعی اختلاف کی وجہ سے کتابوں میں مذکور ہیں وہ ان ہی بنیادی دو قسموں کے ذیل میں آجاتی ہیں۔

دینی حکومت کی عدم تقسیم | اس کے برعکس دینی اور شرعی حکومت کے چونکہ اصول و ضوابط منضبط ہیں۔ ان میں عقل انسانی کی کوئی دخل اندازی نہیں ہے اس لئے اس میں کوئی تقسیم نہیں ہے۔

---

[1] اسلام کا نظام حکومت صـ۳۴

دینی حکومت کی اساس دینی حکومت کا اساسی اصول جس پر سارے نظام کی عمارت قائم ہے یہ ہے کہ پوری کائنات میں بشمول زمین کے اصل حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک اور مربی و مدبر ہے۔ یہ بات قرآن حکیم کی ان آیات سے ثابت ہے:

(۱) وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ — اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک اور جو کچھ ان کے اندر ہیں۔

(۲) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ — مگر حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔

(۳) اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ — سمجھ لو، اللہ ہی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکومت کرنا۔

(۴) فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ — پس حکم (حکومت) اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے ملک الملوک اور سلطان السلاطین ہیں کہ ملکوت السموٰت والارض پر بلا شرکت غیرے اسی کا اقتدار ہے اور حقیقی معنی میں حاکم ہونے کا اطلاق اسی کی ذات پاک پر ہوتا ہے۔ دیگر امرار و حکام کی صورت تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے امیر و حاکم نہیں ہیں بلکہ منصب کے ساتھ قانونی وابستگی کے ساتھ ان کی امارت و حکومت کی بقار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تعطل و معزولی کے بعد کوئی قانونی اور دستوری پوزیشن باقی نہیں رہتی کہ جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کی اطاعت پر مجبور کیا جاسکے۔ لیکن اللہ کی حکومت ذاتی اور ازلی و ابدی ہے اس کا ہر حکم قانون ہے، اس کا ہر فرمان بلا چون وچرا واجب التعمیل۔ قانون پر اس کی حکومت ہے نہ کہ قانون کی حکومت اس پر۔ پھر بادشاہان و امرار دنیا کسی نہ کسی درجہ میں پابند اور مسئول ہیں خواہ عوام کے ہوں یا خواص کے یا قانون کے، لیکن اس حاکم علی الاطلاق کی فرماں روائی ایسی ہے کہ اس کے سامنے تو ہر ایک جواب دہ ہے لیکن وہ کسی کو جواب دہ نہیں ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (القرآن) — اس سے نہیں پوچھا جائے گا اس چیز کے بارے میں کہ وہ کرتا ہے (یہاں) اور وہ سب لوگ پوچھے جائیں گے۔

غرض اصل فرماں روا اور حاکم اللہ رب العزت ہیں۔

ضرورتِ خلافت

لیکن جس طرح کسی بھی فرد کے لئے از خود اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی کا معلوم کرنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ وہ خود اپنی مرضی اور نامرضی کے بارے میں آگاہ نہ کر دے۔ اسی طرح تمام انسانوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ محض قانون کے متن سے باخبر ہو کر اس کے منشار و مراد کو پورے طور پر سمجھ سکیں اور تمام پہلوؤں کی تکمیل و تعمیل کر سکیں۔ جب تک کہ قانون کی تشریح کرنے والا۔ اور بصورت نظام عملاً اس کو نافذ کرنے والا نہ ہو۔

پھر قانون سے حق ناحق کی وضاحت تو ہو جاتی ہے۔ لیکن قانون یہ نہیں کر سکتا کہ از خود مجرموں کو پکڑے اور ان کو سزا دے اس لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی مجرموں کی نشاندہی اور ان کے جرائم کی تعیین کرنے والا، پھر قانون سے مراجعت کر کے اس کی سزا کا بندوبست کرنے والا ہو تاکہ اس جرم کا دائرہ وسیع ہو کر امن عامہ کی تباہی کا باعث نہ ہو۔
یہ کام جس طرح قانون نہیں کر سکتا اسی طرح بحیثیت فرماں روائے اعظم کے رب ذوالجلال کی شان کے بھی مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کے دروازوں پر دستک دیں اور بلا کر ان کی اچھائیوں اور برائیوں اور آپس کے نزاعات کا تصفیہ کریں۔

ملائکہ کی عدم اہلیت

یہ عظیم المرتبت کام ملائکہ کے بھی حوالہ نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لئے کہ وہ نورانی مخلوق ہے، شر اور برائی ان کے پاس کو بھی نہیں ہے، وہ ایسی مخلوق کے جذبات و خواہشات اور عوارض و مشکلات کا کیسے صحیح اندازہ کر سکتے ہیں، جس میں خیر بھی ہے اور شر بھی، اگر اس کے اندرون سے شر ابھر کر آتا ہے تو خیر کو قبول کرنے کی بھی اس میں بھرپور صلاحیت ہے۔

پھر انسان کی ضرورت کائنات کی ہر چیز سے وابستہ ہے، اور ظاہر ہے کہ ان ضرورتوں کی تکمیل اور اشیائے عالم سے استفادہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ان سے حسب تقاضاد

ضرورت باخبر ہو، اگر ان اشیاء کے طبائع و مزاج اور نفع و نقصان سے واقف نہ ہو گا تو نفع اندوزی کیسے کر سکتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اضافہ پذیر علم عطا فرمایا، جس سے ملائکہ تہیدست ہیں ان کو خود اس بات کا اقرار ہے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (القرآن) آپ کی ذات پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ جو آپ نے ہم کو بتلا دیا۔

لہٰذا یہ کوتاہ علم مخلوق اس وسیع العلم مخلوق پر کیسے فرمانروائی کر سکتی ہے جس کے بارے میں خود علیم و خبیر ... صادق دی ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اور علم دیا آدمؑ کو کل اسماء (وصفات اشیاء) کا۔

خلافت خداوندی کی بنیاد

اور چونکہ اسی آیت سے ثابت شدہ یہ حقیقت ہے کہ اسی علمی کمال کی وجہ سے انسان کو کائنات ارضی و سماوی پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے یعنی معیار فضیلت علمی تفوق ہے نہ کہ کچھ اور، تو انسانوں میں بھی جو افراد اس وصف خاص یعنی علم میں دیگر ابناء آدم سے ممتاز ہوں، ان کو کمال بشریت کی وجہ سے عام انسانوں میں بھی برتری اور تفوق حاصل ہو گا، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے ہی خاصان خدا اس بلند مرتبہ منصب کے اہل ہیں۔

اللہ کے خلیفہ صرف پیغمبر

اور چونکہ اس منصب سے وابستگی کے معنیٰ اسی حکومت کے کام کی انجام دہی ہیں جس کے حاکم و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے کہ یہ پاکباز ہستیاں خلیفۃ اللہ یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ مالک الملک کی نائب اور جانشین کہلائی گئیں۔ ان ہی کو مذہب کی زبان میں رسول و نبی اور پیغمبر کہا جاتا ہے[1]

[1] الانبیاء ھم خلائف اللہ فی ارضہ (پیغمبر ہی زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں) (تفسیر قرآن از ابو حیان اندلسی ۷۵۴ھ بذریعہ اسلام کا نظام حکومت صد ۲۲۹)

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ کا آغاز ابوالبشر حضرت آدمؑ سے ہوتا ہے۔ یعنی جو پہلے انسان وہی پہلے رسول اور خلیفۃ اللہ۔ پھر حسب ضرورت ہر قوم و ملک میں بہت سے انبیاء و رسل تشریف لائے۔ تا آنکہ طویل عرصہ گذر جانے اور تقریباً ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبروں کی بعثت کے بعد نوعِ انسانی اپنی انسانی صلاحیتوں میں درجۂ عُلیا حاصل کر چکی تو ایک ایسی ہستی کا ظہور ہوا جس میں بشری کمالات منتہائے کمال کو پہونچے ہوئے تھے اور وہی معیارِ فضیلتِ انسانی یعنی علم ایسا وافر موجود تھا کہ اس کی مثال نہ آپ سے پہلے ہوئی نہ بعد۔ خود ارشاد فرمایا:

اوتیت علم الاولین والآخرین — مجھے اگلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا۔

اسی لئے آپؐ کو جو خصوصی معجزہ دیا گیا وہ بھی علمی ہے یعنی کلامِ الٰہی۔ آپ کے مخاطبین اولین بھی ایسی قوم کے افراد ہوئے جو بظاہر تو حد درجہ جاہل و سفاک تھے لیکن

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (القرآن) — اور اس بارِ امانت کو انسان نے اٹھالیا اور ثابت ہو گیا کہ) بلاشک وہی بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے (لہٰذا اسی میں عدل و علم کی صلاحیت و اہلیت بھی ہے۔)

کے مصداق ان ہی میں علم و عدل کی وہ اعلیٰ صلاحیت موجود تھی جس کی کلام ربانی کی تعلیم و تعلم اور افہام و تفہیم اور اس کے ناپید اکنار علمی و عرفانی سمندروں میں غوطہ لگا کر آبدار موتیوں کو نکال لینے کے لئے ضرورت تھی۔

خلیفۂ اعظم اس لئے تقاضائے حقیقت یہی تھا کہ اسی انسانِ کامل کو خلیفۂ اعظم قرار دیا جائے اور اسی پر سلسلۂ خلافت کو ختم کر دیا جائے۔

پھر چونکہ امارت و سیاست کا محور بھی وہی وحی ربانی ہے جس کے گرد نظام شریعت و عبادت گردش کرتا ہے اس لئے جس طرح ہر امت کے لئے طہارت و نماز اور روزہ و زکوٰۃ کے

اصول و فروع کا ماخذ اس کے پیغمبر کی ذات و تعلیمات ہوتی تھی۔ اسی طرح حکومت و خلافت کے مسائل کا مرجع بھی اس کی ہدایات و اشارات ہوتی تھیں۔

ارباب حکومت پیغمبر

اس لئے جن پیغمبروں کے ہاتھ میں اس وقت کے حکومت و اقتدار کی زمام تھی، انھوں نے تو بذات خود بحیثیت خلیفۃ اللہ فطری حکومت کے اصول وضوابط کے مطابق انسانی معاشرے کی تنظیم اور نیابتی طرز پر سلطنت کے قیام کے ذریعے منشائے ربانی کی تکمیل کی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل کے ان جلیل القدر پیغمبروں میں حضرت شیث، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد و سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام قابل تذکرہ ہیں۔

بغیر حکومت کے پیغمبر

لیکن جو پیغمبر محض نبی تھے، صاحب حکومت نہ تھے انھوں نے خود تو نظام حکومت قائم نہیں کیا، لیکن اپنی پیغمبرانہ ہدایات کے ذریعے فطری حکومت کے نظریات کو نمایاں کیا اور قومی و ملکی معاشرہ کی اصلاح و ترقی میں حصہ لیکر سیاست و حکومت کا رخ ٹھیک کیا، اس لئے ان کی امت کے با اقتدار حاکم شرعاً اس بات کے مکلف رہے کہ وہ اپنے دور کے پیغمبر کی ہدایت کے مطابق بطور اُن کے قائم مقام اور نائب کے نظام حکومت چلائیں۔ یہ نیابت و جانشینی کار نبوت اور منصب پیغمبری کی تو نہ ہوتی تھی، اس لئے کہ نبی کی نبوت کا کوئی جانشین نہیں ہوتا، البتہ خلافت و سیاست میں ان کے جانشین ہوتے تھے، تا آنکہ کوئی دوسرا پیغمبر مبعوث ہو کر مرجع امر قرار پائے۔

اس طبقۂ انبیاء میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام قابل ذکر ہوئے ہیں[1]۔ سب سے آخر میں نبی آخر الزماں محمد عربی (فداہ ابی وامی) صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] از اُسلام کا نظام حکومت ص ۹۴، ۹۵۔ قرآن حکیم نے ان ہی انبیاء وخلفاء کے لئے ایک ہدایت بایں الفاظ دی ہے وما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تشریف لائے، آپ نبی بھی تھے اور فرماں روائے حکومت بھی۔

اللہ کا آخری خلیفہ اور جس طرح آپؐ تمام آسمانی مذاہب کی خوبیوں کے حامل دین کا آخری ایڈیشن لیکر آئے تھے، اور منصب نبوت پر اختتامی مہر لگاکر خاتم النبیین کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوئے، اسی طرح نیابتی طرزِ حکومت کے تمام محاسن کی جامع حکومت قائم فرماکر خلافت الٰہیہ کے جلیل القدر سلسلہ کو اپنے منتہا پر پہونچادیا آپؐ کے بعد جس طرح کسی نبی اور پیغمبر کے آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ایسے ہی کسی خلیفۃ اللہ کے ظاہر ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

مگر جس طرح منصبِ نبوت کے ختم ہوجانے کے باوجود کارِ نبوت باقی ہے یعنی تعلیم وتربیت اور تبلیغ جو آنحضرتؐ کے علمی ورثار حضرات علمار ربانیین کے سپرد ہے اسی طرح فطری حکومت کے قیام وبقار کا کام بھی آپ کے بعد ہر دور میں موجود رہا۔ جس کی انجام دہی کے ذمہ دار وہی منتخب اور برگزیدہ افرادِ امت ہوئے جو شرائط کے حامل تھے یا ہوں گے۔

پیغمبر کا خلیفہ مگر چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخری خلیفۃ اللہ تھے اس لئے آپ کے بعد کوئی فرماں روا شرائط خلافت کی تکمیل کے باوجود خلیفۃ اللہ نہیں کہلایا بلکہ خلیفۂ رسول کہلائے گئے، اس لئے کہ انھوں نے پیغمبر کے جانشین کی حیثیت سے زمامِ حکومت سنبھالی ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما هلك نبیٌّ خلفہ نبیٌّ وانہ لا نبی بعدی	بنو اسرائیل کے اربابِ سیاست انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں جب کسی ایک پیغمبر کا انتقال ہوجاتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) للناس کونوا عبادًا لی من دون اللّٰہ ولکن کونوا ربانیین (کسی آدمی کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس کو اللہ نے کتاب (شریعت) اور یا حکومت اور پیغمبری دی ہو پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم میرے بندے ہوجاؤ (اس کے بجائے) کہے البتہ تم ہوجاؤ اللہ والے۔

وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوا ببیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللّٰہ سائلھم عما استرعاھم متفق علیہ [1]

تو ان کی جگہ دوسرا نبی آجاتا تھا مگر اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، ہاں البتہ خلفاء ہوں گے اور بکثرت ہوں گے، حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہمارے لئے کیا حکم ہے آپ نے فرمایا تم یکے بعد دیگرے ہر ایک کی بیعت کے ساتھ وفاداری کرو اور ان کو ان کا حق دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نگرانی ان کے سپرد کی ہے اس کے بارے میں وہی بازپرس بھی فرمائے گا۔

خلافت کی تفصیل

اب یہی سلسلہ قیامت تک کے لئے مقرر کر دیا گیا، اور اسی خلافت پیغمبری کے قیام کا ہر دور میں امت محمدیہ کو مکلف قرار دیدیا گیا۔ مگر لفظ خلافت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ نظام حکومت کی اساس پیغمبر اور اُن کے بلا فصل خلفاء کی سیادت دینی ہے تب تو خلافت کا تحقق ہوگا اور امت ایک عظیم دینی و دنیاوی سعادت سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ ایک اہم مطالبۂ خداوندی سے سبکدوش ہوسکے گی، لیکن اگر مقصد اور عمل میں پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابتی حکومت سے اصولاً مطابقت نہ ہوئی تو اس سیاسی قوت کو حکومت، سلطنت اور امارت تو کہا جاسکتا ہے لیکن خلافت کا نام ہرگز نہیں دیا جاسکتا، خلافت کے لئے فطری حکومت اور پیغمبری سیاست کے ساتھ مقصدی یگانگت بھی ضروری ہے اور طرز حکومت کی یکسانیت بھی لابدی۔ اگر اس مماثلت و مشابہت میں ظاہراً و باطناً ادنیٰ درجہ کا بھی فرق نہیں ہے تو اس کو خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین کی امامت کبریٰ کہا جاتا ہے، کیونکہ اسلام کے یہ اولین عقیدۃ و عمل اور سیاست

---

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۲۰ باب الامارۃ

دینی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی مشابہت کی وجہ سے درجۂ امامت حاصل کئے ہوئے تھے۔ اور اسی لئے ان کے فیصلوں کو بعد کے ارباب حکومت کے لئے قانونی نظائر اور دستوری دفعات کا مقام حاصل ہوا۔ اور اس طرح منہاج نبوت پر قائم کی ہوئی ان کی خلافت قیامت تک کے لئے رشد وہدایت اور رہنمائی و رہبری کا ذریعہ بن گئی۔

لیکن ظاہر ہے کوئی نظام از خود اپنے پیروں نہیں چل سکتا جب تک اس کو چلانے والے ایسے صلاحیت مند افراد نہ ہوں جو نکری مناسبت اور قلبی عزم و اخلاص کے حامل ہوں اور قاعدے کے مطابق اس مشین کو حرکت دینے والے مشاق ہاتھ رکھتے ہوں۔

(باقی)

سیرت خیر العباد
زاد المعاد

اس کتاب کی پہلی جلد اور دوسری جلد طبع ہو کر آگئی ہے۔ مصنف حضرت علامہ ابن قیم جوزی۔ اس کا ترجمہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے کیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس کتاب میں بہت ہی جاں فشانی سے محنت کی ہے۔

مکتبہ برہان دہلی نے اپنے ایک خوبصورت انداز میں اس کو شائع کیا ہے۔ آپ اس کتاب کا مطالعہ کر کے ہی اس کی علمی شان کو سمجھ سکتے ہیں اور فنی گہرائیوں کا اسی وقت ہو سکتا ہے۔

آج ہی آپ اس پتے پر اپنا آرڈر بڑی تعداد میں بھیجیے۔

قیمت غیر مجلد قیمت مجلد

جنرل منیجر ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد، دہلی ۶